" سودا اور تضحیک روزگار "

مرزا رفیع سودا کا ہجوی قصیدہ

تضحیکِ روزگار اسی زمانے کی دہلی کے حالات پیش کرتا ہے جس میں سودا نے سماج میں پھیلی ہوئی افراتفری، معاشرے کے انحطاط، مصائب اور محرومیوں کا بڑی خوبی سے ذکر کیا ہے۔ تضحیک روزگار ایک دوست کے گھوڑے کی ہجو ہے لیکن اس کے پس پردہ سارا سماج اور فوجی نظام ہے جو ابتری کا شکار ہے۔ چنانچہ اس قصیدہ کا نام خود اس بات کا غماز ہے کہ سودا اپنے ماحول کو پیش کر رہے تھے۔ انہوں نے اس قصیدے میں بے شمار علامتیں استعمال کی ہیں۔ مکھیوں کا بھنبھنانا، خرس کا خیال آنا، لڑکوں کا ستانا، دھوبی اور کمہار کا اس گھوڑے پر اپنا حق جتانا..... یہ سب اپنے اندر گہری معنویت رکھتے ہیں۔

ہے چراغ جب سے ابلقِ ایام پر سوار

یہ کہہ کر سودا نے قاری کے ذہن کو اپنے زمانے کی طرف منتقل کیا ہے جہاں ہر طرف ایک افراتفری کا عالم ہے اور پھر وہ امرا اور فوجی عہدہ داروں کی کسمپرسی کا حال یوں بیان کرتے ہیں۔ ع

جن کے طویلے بیچ کوئی دن کی بات ہے

ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار

اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھ سے

موچی سے کفشِ پاکو گٹھاتے ہی وہ ادھار

اس کے بعد وہ کنجوسی کی مذمت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دہر یعنی زمانہ کی افتاد کی وجہ سے نہ صرف عالم خراب ہے بلکہ اکثر نے کنجوسی کی وجہ سے ننگ و عار اٹھایا ہے۔ یہاں اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ عتیق احمد صدیقی نے قصائد سودا مرتب کرنے کے لئے انجمن ترقی اردو علی گڑھ کے نسخے سے استفادہ کیا۔ لیکن انہوں نے دوسرے نسخوں کا حوالہ دیتے ہوئے حاشیہ میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ رام پور اور پٹنہ کی لائبریریوں میں جونسخہ ہے اس میں شعر یوں ہے۔

تنہا ولے نہ دہرسے عالم خراب ہے

خست نے اکثروں نے اٹھایا ہے ننگ و عار

لیکن انجمن ترقی اردو علی گڑھ کے نسخہ میں یوں ہے اور یہی عتیق احمد صدیقی نے بھی درج کیا ہے۔

تنہا ولے نہ دہر سے عالم خراب ہے

خست سے اکثروں نے اٹھایا ہے ننگ و عار

اور یہی شعر موضوع اور عبارت کے اعتبارسے درست معلوم ہوتا ہے ..... کیونکہ خست کا ننگ و عار اٹھانا بے معنی سی بات ہے ..... اس کے علاوہ اگلا شعر یوں ہے۔

ہیں گے چنانچے ایک ہمارے بھی مہرباں

پاوے سزا جو ان کا کوئی نام لے نہار

چنانچہ'' کہہ کر سودا نے اپنے پچھلے شعر کے مفہوم کو آگے بڑھایا ہے کہ یہ جو مہربان '' دوست ہیں وہ اتنے کنجوس اور منحوس ہیں کہ کوئی ان کا نام صبح میں لے تو اسے اس دن سزا ضرور ملے گی.....دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کی آمدنی کچھ کم نہیں بتلائی ہے۔

نوکر ہیں سوروپے کے دنانت کی راہ سے

گھوڑا رکھے ہیں ایک سو اتنا خراب و خوار

اب یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ سوروپے وہ اٹھارویں صدی میں اور اگر سالانہ ہو تب بھی کوئی معمولی رقم نہ تھی لیکن ''دنانت کی راہ سے '' کہہ کر سودا نے اس بات کا اظہار کر دیا ہے کہ اگر چہ بادی النظر میں سوروپے کے نوکر ہیں مگر یہ سوروپے تنخواہ ملتی ہی کب تھی۔ وجہ ظاہر ہے .....نظام فوج پورا ابتر تھا .....تنخواہیں کہاں سے دی جاتیں جب کہ خزانہ ہی خالی تھا۔ بیرونی حملہ آوروں ، مرہٹوں اور باغیوں نے دہلی کو لوٹ لوٹ کر ساراخزانہ خالی کر دیا تھا۔ چنانچہ ان صاحب کے پاس جو گھوڑا تھا، نہ اسے دانہ ہی میسر تھا نہ گھاس، نہ اس کی کوئی دیکھ بھال ہوتی تھی اور نہ ہی اس کے لئے کوئی سائیس تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی دودھ پیتے بچے کے پاس مٹی کا گھوڑا ہو.....دودھ پیتا بچہ ظاہر ہے کہ کسی بڑے اور بالغ انسان کی طرح اپنی چیز کی دیکھ بھال نہیں کر سکتا۔ گرنے اور

ٹوٹنے پھوٹنے کی وجہ سے مٹی کے گھوڑے کا جو حال ہو سکتا ہے ، کچھ ایسا ہی حال سودا نے اپنے ''ممدوح ''گھوڑے کو بتایا ہے۔

اگلے شعر میں نا طاقتی کا ذکر کرتے ہوئے گھوڑے کی کمزوری کی وجہ مسلسل فاقے بتائے ہیں۔ جس کا مطلب یوں نکلتا ہے کہ جب گھوڑا فاقوں میں زندگی گذار ہا ہو تو اس کا یہ حال کیوں نہ ہو..... اور گھوڑے کا فاقہ کرنے کی وجہ یہ محسوس ہوتی ہے کہ مالک کے پاس دانہ کھلانے کو کچھ نہ تھا۔ اس کے بعد اگلے اشعار میں سودا نے اس گھوڑے کی نا طاقتی اور بھوک سے بے چینی کی کیفیات کو پیش کیا ہے۔ اور یہیں اندازہ ہوتا ہے کہ گھوڑا دراصل ایک علامت ہے ..... اس سماج کی علامت جو افراتفری کا شکار تھا.... اس نظم ونسق کی علامت جہاں فوجیوں کا یہ حال تھا کہ وہ گھوڑا رکھنے پر تو مجبور تھے لیکن تنخواہیں نہ ملنے اور آمدنی کا کوئی دوسرا ذریعہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی دیکھ بھال نہ کر سکتے تھے۔ یہ وہ سماج ہے جس کے افراد بھوکے ہیں اور ہر کھانے پینے کی چیز کو للچاتی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ گھوڑے کو دیکھ کر قصاب اور چمار اس آس میں ہیں کہ جلد ہی گوشت اور چمڑہ مل جائے گا۔ قصاب اس فکر میں ہے کہ اس کو ذبح کر کے گوشت حاصل کرے۔ چمار کو یہ امید ہے کہ گھوڑے کے مرتے ہی چمڑہ اسے مل جائے گا۔ یہ قصاب اور چمار اور کوئی نہیں ، وہ لٹیرے ، غدار اور سلطنت کے دشمن ہیں جو ہر طرف لوٹ مار مچائے ہوئے تھے .....اور یہ چاہتے تھے کہ اپنے شکار کی کھال تک کھینچ لیں۔ ع

ہر زخم پر زبس کہ بھنکتی ہیں مکھیاں
کہتے ہیں اس کے رنگ کو مگسی اس اعتبار

زخم پر مکھیوں کا بھنکنا اس معاشرے کے زخمی بدن اور اس زخمی بدن سے چمٹے ہوئے حملہ آوروں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اس معاشرے کے بدن سے آخری قطرۂ خون بھی حاصل کر لینا چاہتے تھے۔

اس حصہ کے بعد سودا نے گھوڑے کے مالک کے پاس خود کے جانے اور اس گھوڑے کو مانگنے کی روداد کے بارے میں لکھا ہے .....سودا کے دوست جو جواب دیتے ہیں وہ دلچسپی سے خالی نہیں .....گھوڑے کا مالک اپنے گھوڑے کی برائیوں سے آگاہ ہے اور ان کو متنبہ کرتا ہے کہ یہ گھوڑا تو گدھے سے بدتر ہے۔ سلطنت دہلی کی اس زمانے کی حالت کی اس سے بہتر تشبیہ اور کیا دی جا سکتی ہے۔ گھوڑے کا مالک اس گھوڑے کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک اور اہم بات کہتا ہے ..... ع

دلی تک آن پہنچا تھا جس دن کہ مرہٹہ
مجھ سے کہا نقیب نے آ کر ہے وقت کار

عجیب بات یہ ہے کہ مرہٹے شہر میں در آئے ہیں اور اس وقت فوجیوں سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اب ''وقت کار'' ہے۔ یعنی اس وقت تک سب خواب غفلت میں پڑے تھے اور جب جان پر آ بنی تو ادھر ادھر بکھرے ہوئے فوجیوں کی یاد آئی اور پھر نقیب سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً منادی کی گئی ہو گی کہ جتنے فوجی ہیں وہ تمام آئیں اور دلی کو بچائیں۔ باقاعدہ فوج کا تصور نہیں ملتا۔ حالانکہ اس سے پہلے باقاعدہ فوج بھی تھی اور بے قاعدہ فوج میں چھوٹے چھوٹے کماندار ہوتے تھے جن کے تحت کچھ فوجی اور ان کا سازوسامان ہوتا تھا۔ یہ فوجی اہم ضرورت کے وقت طلب کئے جاتے تھے ورنہ وہ اپنے کاروبار میں مشغول رہتے۔ کسی اہم مہم کے وقت جب یہ محسوس کیا جاتا کہ باقاعدہ فوج کم ہے تو اس صورت میں بے قاعدہ فوج کے کمان داروں کو طلب کر کے ان کے تحت کے آدمیوں کو بھی حاصل کر لیا جاتا تھا۔ اس دور کی دلی میں باقاعدہ فوج کی بجائے صرف بے قاعدہ فوج نظر آتی ہے جس کو اس وقت طلب کیا جا رہا ہے جب دشمن سرپر آ پہنچے ہیں ..... اس بات سے حکمران کی لاپرواہی اور امرائے سلطنت کا غیر ذمہ دارانہ رویہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ ایک اور بات اس شعر کی روشنی میں یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ جن فوجیوں کو طلب کیا جا رہا ہے ان میں نہ تو مادرِ وطن کو بچانے کے لئے جذبہ تھا اور نہ ہی ہمت، جفا کشی اور بہادری کے جوہر ..... گھوڑا ناقص ہونے کی وجہ سے وہ میدان جنگ تک پہنچ نہیں سکتے تھے۔ درحقیقت ناکارہ سازوسامان کا تو بہانہ تھا لوگ عیش و عشرت کاہلی اور لہو و لعب میں اس قدر گرفتار تھے کہ انہیں جوہر مردانہ دکھانے کا حوصلہ ہی نہ تھا ..... جب سارے کا سارا معاشرہ ہی ایسا ہو تو دلی پر جو کچھ بھی ستم ڈھائے جائیں وہ کم ہیں۔

سودا کی خوبی یہ ہے کہ ان کے کلام کے مطالعہ سے اس دور کے معاشی اور معاشرتی حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے ..... چنانچہ تضحیک روزگار کے علاوہ سودا کے کہے گئے شہر آشوب اس کی عمدہ مثال ہیں ..... اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ سودا ایک دردمند دل رکھتے تھے اور ایک حساس ذہن کا

مالک جب کسی چیز کو اپنے اندرون میں محسوس کرتا ہے تو بے ساختہ اس کا اظہار بھی کر دیتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اظہار اس کی اپنی فکر، مشاہدے اور تجربے کے دائرے میں ہی ہو گا۔ اور اظہار کا مخصوص اسلوب اس کا طرۂ امتیاز بن جائے گا۔ سودا نے قصیدوں کو اپنے دل کے درد کے اظہار کے لئے نہایت خوبی سے استعمال کیا ہے۔۔

زرنگار یاسمین